اسلام میں ارتداد کی سزا

تالیف

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب

نوّر اللہ مرقدہ

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

توضیح المراد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد

اسلام میں ارتداد کی سزا

مخالفین کے شبہات کا ازالہ

پاکستان اسلامی جمہوریہ حکومت ہے، ایک اسلامی حکومت میں یہ بات قابل اعتراض ہونے کے ساتھ باعث اضطراب وتشویش بھی ہے کہ اس میں حکومت کے اساسی نظریۂ اسلام کے خلاف سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے اور عیسائی مشنریوں تک کو کھلی اجازت ہو کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرکے مسلمانوں کو عیسائی بناتے رہیں، اور مسلمانوں پر بھی کوئی ایسی پابندی نہ لگائی جائے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرکے عیسائی وغیرہ بنانے سے باز رہیں اور اس طرح مذہب اسلام کے تبدیل کرنے کی مسلمانوں کو کھلی چھٹی حاصل ہو۔ اسلامی حلقوں کی یہ شکایت بجا ہے کہ پاکستان میں عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں میں ارتداد کے جراثیم پھیلانے کا حق دے دیا گیا اور انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کرکے عیسائی بنالیا ہے۔

آزادی کے وقت ہمارے ملک میں عیسائیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم تھی، آج ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور ترغیب وتحریص کے شکم پرور ذرائع کی وجہ سے

ان کی تعداد ۲۸لاکھ سے اوپر ہے (نوائے وقت ۲۳ مئی ۱۹۷۳ء)

بلاشبہ شخصی حقوق کے تحت اس بات کی اجازت پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی شہری اپنے مذہب پر عقیدہ رکھے، اس پر عمل کرے، مگر قانون اسلام کی رو سے کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مذہب اسلام کو تبدیل کر کے مرتد ہوجائے اور وہ مملکت کے اساسی نظریۂ اسلام کو ترک کردے۔

ایک مسلمان کا دین اسلام سے انحراف اور اسلامی سلطنت کے اساسی نظریۂ اسلام سے بغاوت کرنا اگر قابل سزا جرم نہیں ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ دین اسلام (نعوذباللہ) ایک بے حقیقت دین ہے، جس سے انحراف کی کوئی سزا نہیں ہے ۔کیا دین اسلام اور اسلامی مملکت ایسی ہی بے قدرو قیمت چیزیں ہیں کہ ان کے بارہ میں کھلی اجازت ہو کہ جس قسم کا چاہے طرز عمل اختیار کرلیا جائے اور کوئی روک ٹوک نہ کی جائے۔نوائے وقت ۱۳ فروری ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں الحاج ممتاز احمد فاروقی نے مولانا مفتی محمود صاحب کے انٹرویو کے جواب میں جو مضمون ''مسئلۂ ارتداد اور اسلام'' کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ ''کیا مذہب اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے''؟

اس سوال کا جواب یہی ہے کہ اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور یہی سزا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ارتداد کے معنی اگرچہ لغت میں لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں مگر اصطلاح شریعت میں اسلام اور ایمان میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں، مفردات امام راغب میں ہے ھوالرجوع من الاسلام الی الکفر اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے ارتداد میں اسلام کی بے قدری اور اس کی سخت توہین ہے اس لئے ارتداد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے، جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد اس سے بغاوت کی سزا سخت ہوتی ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے قوانین کی رو سے فاروقی صاحب کے مضمون کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے۔

پہلی دلیل اور اس کا تجزیہ

مضمون نگار نے پہلی دلیل ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے پر قرآن کریم کی آیت نمبر ۲۵۶ پیش کی ہے، وہ لکھتے ہیں "قرآن کریم نے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶ میں صاف فرمایا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے" آگے لکھتے ہیں کہ "قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کو جبر کچھ نہیں منواتا بلکہ جو چیز منواتا ہے اس کی دلیل یہی دیتا ہے کہ ہدایت کی راہ واضح ہو چکی"۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لا اکـــراہ فـــی الـدین ”زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں، اس سے اوپر کی آیت وانّک لـمـن المرسلین ”اور بلاشبہ آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ہیں“ میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے، اور زیر تفسیر آیت سے ملی ہوئی آیت الکرسی میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور عظمت صفات کا بیان ہے اور یہی دو امر توحید و رسالت جن کا ذکر اس آیت سے پہلے فرمایا گیا ہے دین اسلام کے اصل الاصول ہیں، اور جب ان دونوں کو دلائل سے ثابت کر دیا گیا تو اس سے دین اسلام کی حقانیت کا بھی لازمی طور پر ثبوت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق

حق تعالیٰ جل شانہ اپنی ربوبیت عامہ اور حکومت کاملہ اور مخلوق کی محکومیت اور عبدیت کی بنا پر اپنے مخلوق و محکوم بندوں کو دین اسلام کے قبول و تسلیم کرنے پر مجبور کریں تو یہ بھی ان کا جائز حق ہے ، اس لئے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اگر تکوینی طور پر اپنے اس حق کی ادائیگی کا بجبر مطالبہ کریں اور اپنی قدرت و تصرف سے سب کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کر دیں یا تشریع کے ذریعہ ایسا شرعی ضابطہ مقرر فرما دیتے جس سے بجبر سب کو اسلام میں داخل ہونا پڑتا تو کسی کو اس پر حرف گیری اور لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ سب کا خالق اور مالک ہے اور خالق و مالک کو اپنی مخلوق و مملوک میں ہر طرح کے تصرف کرنے

اوراس کیلئے ہرقسم کے قانون بنانے کا حق حاصل ہونا ایک مسلمہ بات ہے۔

باوجود حق ہونے کے جبر نہ کرنے میں حکمت

لیکن چونکہ یہ دنیا آزمائش اورابتلاء کا مقام ہے اس لئے دنیا میں کسی شخص کو ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ اس کو ایمان کے قبول نہ کرنے پر اختیار ہی نہ رہے اوراس کے قبول کرنے پر وہ تکوینی یا تشریعی طور پر مجبور محض ہوجائے حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے آزمائش وابتلاء کی مصلحت فوت ہوجاتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو دین اسلام کے قبول کرنے اور ایمان لانے پر نہ تو تکوینی طور پر مجبور فرمایا اور نہ ہی تشریعی طور پر کوئی ایسا قانون بنایا کہ لوگوں کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑتا ہو۔

دین اسلام قبول کرنے میں اختیار

اس لئے بندوں کو نہ صرف یہ کہ باختیار خود ایمان لانے کا اختیار دے دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے اختیار سے ایمان لاکر دین اسلام کو قبول کریں اوراگر نہ چاہیں تو قبول نہ کریں، بلکہ ایمان کے معتبر ہونے کیلئے اس کا باختیار خود قبول کرنا شرط قرار دے دیا اور حالت اضطرار اور جبر واکراہ سے قبول کیا ہوا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر معتبر اور نامقبول قرار پایا۔

آیت کی تفسیر

آیت زیر تفسیر میں اسی بات کا اعلان فرمایا گیا ہے، حق تعالیٰ فرماتے

ہیں لا اکــراہ فــی الـدیـن یعنی (دین) کے قبول کرنے (میں) ہماری طرف سے (کوئی جبر نہیں ہے) بلکہ ہر ایک کو ہم نے اختیار دے دیا ہے، اور اپنے اختیار کو ایمان کیلئے کام میں لائے یا کفر کیلئے یہ ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ اور دین کے قبول کرنے پر جبر کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ قـد تَبَیّـن الـرّشـد من الغـیّ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے اور اسلام کی خوبی قطعی دلائل سے واضح ہے، اور جبر و اکراہ ایسے کام میں کیا جاتا ہے جس کی خوبی مخفی ہو واضح نہ ہو، جب دلائل سے دین اسلام کی خوبی ثابت کر دی گئی اور ہدایت گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو چکی تو اب جبر و اکراہ سے کسی کو اسلام قبول کرانے اور مسلمان بنانے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے؟

ایسی حالت میں جو شخص بھی دین اسلام کی خوبیوں سے اعراض اور اس کے محاسن سے صرف نظر کرے گا اور ہدایت سے روگردانی کر کے کفر و گمراہی کو اختیار کرے گا تو وہ دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے خود کو تباہی میں ڈالے گا، اس لئے اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوگا، کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسے شخص کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

اسلام و کفر کے احکام

البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کیا جائے گا اس کے احکام اور آثار اس پر ضرور مرتب ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں

بھی، مثلاً دین اسلام کے قبول کرنے پر مومن کیلئے جنت کی ہمیشہ کی راحتیں اور قبول نہ کرنے پر دوزخ کی دائمی تکالیف، یہ تو آخرت میں اسلام وکفر کے آثار اوراچھے برے نتائج ہیں۔اور مثلاً مومن کا معصوم الدم ہونا اور کافر کا بعض حالتوں میں مباح الدم وغیرہ ہونا اسلام وکفر کے دنیامیں احکام اورنتائج ہیں۔کیا یہ احکام لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہیں؟تفسیر مذکور سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس آیت میں جس جبر واکراہ کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد دین اسلام کے قبول کرنے میں جبر واکراہ ہے، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کسی کافر اور غیر مسلم کو دین اسلام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا،مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے کہ قرآن کریم اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا اور مسلمانوں پر بھی اسلام کے ترک کرنے پر پابندی عائد نہیں کرتا ،جیسا کہ مضمون نگار نے سمجھ لیا ہے، آیت کا یہ مطلب ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ اس کا یہ مطلب بتلایا جائے کہ دین کے معاملہ میں جتنی بھی سختی اور جبر کیا جائے اس کو سختی اور جبر نہیں سمجھا جانا چاہئے اور دین کے معاملہ میں ہر طرح کا جبر کرنے کی اجازت ہے۔اگر دین میں جبر واکراہ کی نفی کا یہ مطلب لیا جائے کہ اسلام کے قبول کر لینے کے بعد ہر قسم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہوجاتی ہے اور اس سے بجبر کچھ نہیں منوایا جاتا، یہاں تک کہ اسلام کے بعد کفر کو اختیار کرنے پر بھی اس سے دارو گیر نہیں کی جاسکتی پھر تو کسی بھی جرم کے ارتکاب پر سزا کا نافذ کرنا جبر واکراہ کی نفی کے خلاف ہوگا اور ہر شخص جرم نہ کرنے

پر مکرہ اور مجبور ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مطلب بالبداہت غلط اور باطل ہے، کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ قتل، زنا، چوری وغیرہ کی جو سزائیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان سزاؤں کا نفاذ اور اجراء بھی جبر واکراہ میں شمار کیا جائے اور ان سزاؤں کے خوف سے جو لوگ ان جرائم پر اقدام نہیں کرتے وہ بھی جرائم کے نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اور نماز، روزہ وغیرہ فرائض کے ادا نہ کرنے پر کسی قسم کی سزا کا تجویز کرنا بھی جبر واکراہ میں داخل ہو جائے گا، اور حقوق زوجیت وغیرہ کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہے گا اور نہ اس پر کسی طرح کی سزامقرر کرنا جائز ہوگا اور یہ کہہ دیا جائے گا کہ قرآن اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا، اس لئے حقوق اللہ یا حقوق العباد کے ترک کرنے اور اس میں کوتاہی کرنے پر اگر سزا تجویز کردی گئی تو ان حقوق کی ادائیگی پر جبر واکراہ لازم آکر لااکراہ فی الدین کے خلاف ہو جائے گا۔ تو کیا اب قاتلوں، زانیوں اور شرابیوں، چوروں کو بھی کھلی چھٹی دے دی جائے گی اور ان پر کوئی سزا نہیں تجویز کی جائے گی؟ کیا نماز، روزہ اور حقوق اللہ نیز حقوق العباد کے ترک پر بھی کسی کی دارو گیر نہیں کی جائے گی؟ آیت میں جبر واکراہ کی نفی کا یہ مطلب کہیں کسی بھی عاقل کے نزدیک درست ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی بھی دنیوی قانون اور حکومت اس قسم کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے؟

مرتد کی سزا بھی لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں

اگر جرم قتل اور جرم زنا وغیرہ کی سزا کو جبر و اکراہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا تو جرم ارتداد اور ترک اسلام کی ایسی سزا کو جبر و اکراہ کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ جس طرح یہ سزائیں ان افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتی ہیں اسی طرح ارتداد اور اسلام کے بعد اس کے انکار و کفر کو اپنے اختیار سے قبول کرنے کا نتیجہ سزائے قتل کی صورت میں مرتد پر مرتب ہوتا ہے اور اس کو وہ اپنے اختیار سے برداشت کرتا ہے۔

سزائے ارتداد اور حد زنا و قصاص میں فرق

غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سزائے ارتداد اور حد زنا اور قصاص میں یہ فرق بھی ہے کہ حد زنا اور قصاص سے بچنا زانی اور قاتل کے اختیار سے خارج ہو جاتا ہے اور مرتد کو سزائے قتل سے بچنے کا اختیار حاصل رہتا ہے، اگر وہ چاہے تو ارتداد سے توبہ کر کے سزائے قتل سے بچ سکتا ہے لیکن زانی اور قاتل کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ حد زنا اور قصاص سے خود کو بچا لے۔ اب اگر مرتد کفر کو اختیار کر کے اس کے نتیجہ سزائے قتل کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا اختیاری فعل ہے اس پر وہ مجبور نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ توبہ کر کے اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو یہ بھی اس کا اختیاری فعل ہے اس پر بھی وہ مجبور نہیں ہے۔

غلط فہمی

ارتداد کی سزائے قتل کو اکراہ میں داخل کرنے والوں کو دراصل یہ غلط فہمی

ہورہی ہے کہ وہ اس سزا کو اسلام پر مجبور کرنے کیلئے سمجھ رہے ہیں،اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتد پر یہ سزا جاری کردی جاتی ہے تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سزا اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے دی جارہی ہے، حالانکہ یہ سزا تو اس پر ترک اسلام کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہورہی ہے اور اس کے جرم ارتداد کا یہ خمیازہ اس کو بھگتنا پڑرہا ہے۔

البتہ اس نتیجہ کے ترتب سے بچنے کا اس کیلئے ایک راستہ قبول اسلام کھلا ہوا ہے، ارتداد کے بعد مرتد کو اسلام کی مہلت اس کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کیلئے نہیں دی جاتی بلکہ خیر خواہان مشورہ کے طور پر اس کو سزائے ارتداد سے بچنے کا ایک راستہ دکھلایا جاتا ہے۔

غرضیکہ ترک اسلام کے بعد دوبارہ اسلام کا قبول کرلینا جرم ارتداد کی سزا سے بچنے کی ایک تدبیر ہے اور اس نتیجہ کے ترتب سے مانع ہے جو ترک اسلام کے بعد اس پر مرتب ہونے والا ہے اور جس کا یہ جرم ارتداد سے ہی مستحق ہو چکا ہے، لیکن جب وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرتا اور کفر پر اصرار کرتا ہے جرم ارتداد کی سزا کا اس پر ترتب ہوجاتا ہے اور ارتداد کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ تلوار کے زور سے اس کو قبول اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے کس قدر غلط فہمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترک اسلام قابل سزا جرم ہے اور وہ اپنے پیروؤں کو جبراً اسلام پر قائم رکھتا اور کسی مسلمان کو ترک اسلام کی

اجازت نہیں دیتا،اور ظاہر ہے کہ اپنے پیروؤں پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا اوران کو جبراً کوئی بات منوانا جبراً اسلام میں داخل کرنا نہیں ہے۔اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے ماننے والوں پر جبری احکامات کا نفاذ کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔اگر جرم ارتداد پر مہلت دئے بغیر ہی اس کی سزا کو جاری کرایا جایا کرتا یا مرتد کا دوبارہ قبول اسلام نامقبول اور غیر معتبر قرار پاتا تب بھی اس پر کسی اعتراض کا موقع نہیں تھا، کیونکہ جرائم کے ارتکاب اور ثبوت عندالحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے سے دنیوی حدود ساقط نہیں ہوا کرتیں، یہ سہولت صرف حد ارتداد کے نفاذ میں ہی دی گئی ہے کہ جرم ارتداد کے ثبوت عندالحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے اور رجوع الی الاسلام کی وجہ سے اس کی دنیوی سزا کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔

اگر دین میں جبر واکراہ کی نفی کا یہ مفہوم صحیح ہو کہ دین میں کسی بات پر بھی جبر نہیں کیا جاتا تو پھر کیا قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی ان سزاؤں کو بھی اس مفہوم کے خلاف کہا جائے گا جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہورہا ہے، حالانکہ ارتداد کی سزا کی نسبت ان سزاؤں کا اس مفہوم کے خلاف ہونا زیادہ واضح ہے، اس لئے کہ ان سزاؤں سے خود کو بچانے کا کوئی اختیار مستحق سزا کو نہیں دیا جاتا اور سزا کے برداشت کرنے پر اس وقت وہ مجبور محض ہوتا ہے، بخلاف سزائے ارتداد کے کہ اس کا مستحق اگر چاہے تو اس کی سزا سے خود کو بچا لینے کا اختیار اس کو دیا جاتا ہے

جیسا مفصل گزر چکا ہے۔

اب قتل وصلب وغیرہ کی جن سزاؤں کو بحالت مجبوری برداشت کرنا پڑتا ہے اور ثبوت جرم کے بعد ان سزاؤں سے بچنے کا کوئی اختیار مجرم کو نہیں دیا جاتا ان کو تو لا اکراہ فی الدین اور دین میں جبر واکراہ کی نفی کے خلاف نہ سمجھنا اور ارتداد کی سزا کو اس کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کا تضاد اور تمام امت مسلمہ کے خلاف قرآن فہمی کا نرالا طریقہ ہے۔

جرم ارتداد پر سزائے قتل کی وجہ

اب رہا یہ سوال کہ ترک اسلام اور ارتداد پر سزائے قتل کو تجویز ہی کیوں کیا گیا ہے؟ سو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ترک اسلام میں پوری ملت اسلامیہ کا ہتک حرمت اور اس کی بے عزتی ہے، اگر کوئی شخص سرے سے اسلام کو قبول ہی نہ کرے تو اس پر کچھ جبر نہیں اور اس میں اسلام کی کچھ توہین نہیں ہے، لیکن اسلام کو برضا ورغبت قبول کر لینے کے بعد اس کے ترک کرنے اور ارتداد سے اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے، سزائے ارتداد سے مقصد شریعت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ارتداد کے جراثیم سے متاثر نہ ہو اور کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کیلئے اسلام کا ترک فتنہ اور آزمائش کا سبب نہ بن جائے۔ شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے، مرتد کی حالت کو دیکھ کر اور اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر دوسرے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے اور ملت اسلامیہ کی حقانیت میں تذبذب اور

تر ددوا قع ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور اس طرح ملت میں فساد عظیم اور فتنہ کے برپا ہونے کا قوی امکان پیدا ہو کر ملت کے شیرازہ بکھرنے کا پورا سامان جمع ہو جاتا ہے، اس فتنہ کے سدباب اور ملت اسلامیہ کو انتشار سے بچانے کیلئے ترک اسلام اور ارتداد کو قابل سزا جرم قرار دے کر اس پر سزائے قتل کو تجویز کیا گیا ہے۔ جب شریعت اسلامیہ نے ایک جان کے قتل اور ایک عورت کی ہتک عزت (زنا) کی سزا قصاص اور رجم کی صورت میں تجویز کی ہے تو پوری ملت اسلامیہ کی بے حرمتی اور ہتک عزت کو کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا، اگر اس پر قتل کی سزا کو تجویز کر دیا گیا تو اشکال کیوں کیا جاتا ہے؟

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملت کو حفاظت خود اختیاری کے حق کی رو سے ایسے اقدامات کا حق پہنچتا ہے جن کے ذریعہ پیدا شدہ فتنوں کے استیصال کے ساتھ متوقع خطرات اور انتشار سے ملت کی حفاظت کی جا سکے، اس لئے ایسے حفاظتی قوانین بنانے اور اقدامات کرنے سے ملت اسلامیہ کو بھی نہ تو محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا یہ حق اس سے چھینا جا سکتا ہے۔

جس طرح دنیوی حکومتوں کیلئے یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ مملکت کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف کسی باشندے کے اقدام کرنے پر وہ سزائے موت تجویز کر دے، کیا سرمایہ دار ممالک اپنے کسی باشندے کو مملکت کی بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنے اور اسے کمیونسٹ بن جانے یا کمیونسٹ نظریات کی تبلیغ

کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟اوراسی طرح کمیونسٹ ممالک اپنے کسی شہری کو غیر کمیونسٹ اقدامات کرنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں؟ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ اس طرح ان کا نظام حکومت اور سلطنت کی بنیادی پالیسی تباہ ہوکر رہ جائے گی جس کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح مملکت اسلامیہ کا بھی یہ حق تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ وہ اپنی رعایا (مسلمانوں) کیلئے ایسا قانون بنادے جس کی رو سے ملت اسلامیہ کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنا ممنوع قرار پائے اور ملت اسلامیہ کی حدود سے نکلنا اور اسلام کا ترک کرنا ناممکن ہوجائے، اور اگر کوئی مسلمان ملت اسلامیہ سے بغاوت اور سرکشی اختیار کرکے اسلامی سرحد کو عبور کر جائے اور ارتداد کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر سخت سے سخت سزا قتل کو تجویز کردے۔اس سزا کو تجویز کرکے شریعت اسلامیہ نے درحقیقت مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کی بنیادی پالیسی کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے اور اپنے حفاظت خوداختیاری کے حق کو استعمال کیا ہے۔

اب جو یہ کہا جارہا ہے کہ بظاہر دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ایک مہذب ملک میں اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز نظر نہیں آتا (نوائے وقت حوالہ بالا) یا تو یہ کوتاہ نظری اور غلط نظری کا نتیجہ ہے یا پھر ملحدانہ پروپیگنڈے اور یورپین غلط نظریات سے مرعوبیت کا اثر ہے، ورنہ ملک وملت کو فتنوں سے بچانے اور انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز کیوں نظر نہیں آتا۔

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سزائے ارتداد کسی غیر مسلم کو بجبر واکراہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے مقرر نہیں کی گئی، ورنہ غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت میں رہنے کی اجازت ہی نہ ہوتی اور کافر اصلی سے جزیہ قبول نہ کیا جاتا، بلکہ یہ سزا مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے اور ملت اسلامیہ کو انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے بطور حفاظتی اقدامات کے تجویز کی گئی ہے۔

اور جب آیت زیر بحث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی کو بجبر واکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا تو پھر آیت مذکورہ اور سزائے ارتداد میں تعارض ظاہر کر کے اس آیت کو سزائے ارتداد کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جس اکراہ کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے سزائے ارتداد سے اس اکراہ کا ہرگز اثبات نہیں ہوتا، یہ محض مغالطہ اور فریب ہے، اس لئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ہدایت کی راہ گمراہی سے متمیز ہوسکتی ہے، اس لئے بجبر داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے (حوالہ بالا) لیکن سزائے ارتداد کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کیلئے سمجھنا ہی دراصل مضمون نگار کی غلط فہمی ہے اور اس سزا سے یہ نتیجہ نکالنا ہی غلط ہے کہ مرتد کو جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کیا جارہا ہے جیسا کہ تفصیل بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوچکی ہے۔

دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ

دوسری دلیل مضمون نگار نے سزائے ارتداد کی نفی پر اس طرح پیش کی

ہے،لکھتے ہیں ''پھر قرآن کریم سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۷ میں فرماتا ہے'' اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھرے پھر مر جائے حالانکہ وہ کافر ہی ہے سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے اور یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے'' یہاں مرتد کے حالت کفر پر مرنے کا ذکر ہے نہ اس کے قتل کرنے کا (نوائے وقت مذکور)

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۷ سے مرتد کیلئے سزائے قتل کی نفی نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس آیت میں ارتداد پر دنیا اور آخرت میں حبط اعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور دنیا میں حبط اعمال کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ ایک مسلمان کیلئے اسلام کی وجہ سے جو عصمت نفس اور اس کی جان کی حفاظت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اس لئے وہ معصوم الدم ہوتا ہے ارتداد سے اس کا وہ حق ضبط ہو جاتا ہے اور وہ مباح الدم ہو کر سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس طرح مرتد کی سزائے قتل بھی اس کے حبط عمل میں داخل ہو کر اس کا ثبوت بھی اس آیت سے ہی ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابن حبان اندلسی کی تفسیر بحر محیط میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ حبط عمل فی الدنیا کا مطلب یہ ہے کہ مرتد واجب القتل ہے وھو حبطه فی الدنیا باستحقاق قتله والحاقه فی الاحکام بالکفار (بحر محیط ج ۲ ص ۱۵۰) یا پھر حبط اعمال سے دنیا اور آخرت کے ایسے احکام مراد ہوں جو بہر صورت ارتداد پر مرتب ہوتے ہیں اور سزائے ارتداد بھی

ان کے مرتب ہونے سے اس کو نہیں بچا سکتی، دنیا میں مثلاً مرتد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور اس کی سب عبادات نماز، روزہ وغیرہ کالعدم ہو جاتی ہیں، اور آخرت میں اس کو کسی عبادت کا ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ اس کی منکوحہ کا اس کے نکاح سے نکل جانا اور گزشتہ عبادات کا ثواب ضائع ہو جانا تو دنیا اور آخرت کے ایسے احکامات ہیں جن سے سزائے ارتداد تو کیا اسلام کی طرف رجوع کرنا بھی اس کو نہیں بچا سکتا، اور یہ احکامات ہر صورت میں ارتداد پر مرتب ہو کر ہی رہتے ہیں چاہے اس پر سزائے ارتداد جاری ہو سکی ہو یا جاری نہ ہو سکی ہو۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں ارتداد پر جس حبط اعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کا ترتب ارتداد پر سزائے قتل کے علاوہ ہوتا ہے، کیونکہ سزائے قتل ارتداد پر ہر صورت میں مرتب نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی طرف رجوع کرنے سے یہ سزا مرتفع ہو جاتی ہے، اور بعض صورتیں ایسی بھی پیش آ جاتی ہیں جن میں اس سزائے قتل کا جاری کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، مثلاً جرم ارتداد کا شرعی طریقہ پر ثبوت نہیں ہو سکا یا ملک میں اسلامی قانون جاری نہ ہونے کی وجہ سے شرعی سزائیں نافذ نہ ہوئی ہوں، لیکن حبط اعمال ارتداد پر ہر صورت میں مرتب ہوتا ہے، اس کے ترتب سے سزائے ارتداد بھی مرتد کو نہیں بچا سکتی۔

غرضیکہ اس آیت میں مرتد کے حالت کفر پر مرنے کے ذکر اور اس کے قتل کے ذکر نہ ہونے سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے،

اس لئے کہ یا تو حبط اعمال میں یہ سزائے قتل بھی حسب تفسیر بحرمحیط داخل ہے یا اس میں قتل کے علاوہ دوسری سزا حبط اعمال کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ قتل عمد کے بارہ میں صرف لعنت اور غضب وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور قصاص کا ذکر نہیں فرمایا، مگر یہ اس کی دلیل نہیں بن سکتی کہ قاتل عمد پر قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح جن آیات میں ارتداد کی سزا میں صرف حبط عمل یا لعنت کا ذکر آیا ہے یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے، اس لئے کہ کسی جگہ جرم کی ایک سزا کا ذکر ہوتا ہے اور دوسری جگہ دوسری سزا کا مگر مسئلہ کا فیصلہ دونوں جگہوں کے ملانے سے کیا جائے گا، ایک سزا کے ذکر سے دوسری سزا کا انکار کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

تفسیر آیت

ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئك حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولئك اصحاب النّار ھم فیھا خالدون (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷) اس آیت میں شرط کے طور پر دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ایک ارتداد اور دوسرے موت علی الکفر، اسی طرح شرط کی جزاء میں بھی دو چیزیں مذکور ہیں ایک حبط اعمال اور دوسرے خلود نار۔ جس طرح شرط کے دو جز ہیں اسی طرح جزا کے بھی دو جز ہیں، پھر چونکہ جزا کا پہلا جز حبط اعمال شرط کے پہلے جز ارتداد سے متعلق ہے اس لئے اعمال کا حبط تو محض ارتداد سے ہی

ہوجاتا ہےاوراس کیلئے موت علی الکفر شرط نہیں ہے، چنانچہ اس کی تصریح دوسری آیت ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله (سورۂ مائدہ) میں بھی حبط اعمال کو صرف ارتداد پر مرتب فرما کر فرمادی گئی ہے۔اور جزا کے دوسرے جزءخلودنار کا تعلق شرط کے دوسرے جزءموت علی الکفر سے ہے،اس لئے مرتد کے موت علی الکفر کے بغیر صرف ارتداد پر ہی اس کیلئے خلودنار کا حکم نہیں لگایا جا سکتا،اس لئے آیت زیر تفسیر میں مرتد کیلئے خلودنار کا حکم بتلانے کیلئے موت علی الکفر کا ذکر فرمایا گیا ہےاس سےاس کی سزائے قتل کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اول تو سزائے قتل کے بعد بھی یہ خلودنار کا حکم اس کیلئے باقی رہتا ہے جبکہ اس نے توبہ نہ کی ہو، کیونکہ یہ موت بذریعہ سزائے قتل بھی موت علی الکفر ہی میں داخل ہے،اور خلودنار کا یہ حکم مرتد کیلئے سزائے قتل کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

دوسرے ارتداد کے بعد سزائے قتل مرتد پر لازمی طور سے فوراہی جاری نہیں کردی جاتی بلکہ اس کو مہلت بھی دے دی جاتی ہے۔اب اگراس مہلت کے زمانہ میں سزائے ارتداد کے نفاذ سے پہلے ہی وہ حالت کفر پر مرگیا تو اس حالت میں بھی یہ حکم خلودنار کااس کیلئے ثابت رہے گا۔اور شاید ارتداد کے بعداس آیت میں مرتد کی موت علی الکفر کو فائے تعقیب جس کا مفاد ترتیب بلامہلت ہوتا ہے کے ساتھ ذکر میں بھی اس طرف اشارہ ہواور مطلب یہ ہو کہ جو شخص ارتداد کے بعد بغیر مہلت کے فوراحالت کفر پر مر جائے اوراس پر دنیوی سزائے ارتداد قتل

کے نفاذ کی نوبت ہی نہ آئی ہوتو اس شخص کے بھی تمام عمل دنیاوآخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور یہ شخص دوزخی ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں مرتد کے حالت کفر پر مرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ارتداد کی دنیوی سزا اور اس کا انجام قتل نہیں ہے بلکہ اس کے حالت کفر پر مرنے کا ذکر ارتداد کے اخروی انجام خلود نار کو بتلانے کیلئے کیا گیا ہے اور اسی خلود نار کیلئے ہی موت علی الکفر شرط ہے خواہ حالت کفر پر اس کی یہ موت دنیوی سزائے قتل کو بھگتنے اور جاری ہونے کے بعد واقع ہوتی ہو یا ابھی اس سزا کے بھگتنے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور موت طبعی سے وہ مرا ہو، ہر حالت میں کفر پر موت کا اخروی انجام خلود نار مرتب ہوگا اور آیت دونوں حالتوں کو شامل ہوگی۔

تیسری دلیل اور اس کا تجزیہ

مضمون نگار نے لکھا ہے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۵۴ میں بھی مرتد کا ذکر ہے مگر وہاں اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں نہ قرآن کریم میں کسی جگہ قتل مرتد کا حکم ہے (حوالہ بالا)

خلاصہ مطلب آیت نمبر ۵۴ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس فتنۂ ارتداد

کی سرکوبی اور اپنے دین کی حفاظت وحمایت کیلئے ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جس میں کامل ایمان والوں اور خاصان خدا کی صفات کاملہ اور اوصاف فاضلہ جمع ہوں گی اور اس فتنۂ ارتداد کے قلع قمع کرنے اور مرتدین کے قتل وقتال کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برانگیختہ کیا جائے گا، وہ قوم ان مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔اس آیت میں اس بات پر صاف طور سے دلالت پائی جاتی ہے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے اور واضح طور پر ارتداد کی سزائے قتل کا ذکر اس آیت میں موجود ہے مگر مضمون نگار لکھتے ہیں کہ ”وہاں بھی اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں“ ان کا یہ دعویٰ بڑا ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

من بدّل دینه فاقتلوه

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔

مضمون نگار نے پہلے تو ایسے دلائل قرآنیہ کا ذکر کیا ہے جن سے ان کے زعم میں سزائے ارتداد قتل کی نفی ہوتی تھی، ان کا تو تجزیہ کرکے اوپر کی تحریر میں دکھلایا گیا ہے کہ مضمون نگار کا یہ مقصد ان آیات قرآنیہ سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کے مقصد کے برخلاف بعض آیات سے قتل مرتد پر استدلال کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۵۴ سے ارتداد کی سزائے شرعی قتل پر استدلال کا ذکر ہماری اس تحریر میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حدیث زیر عنوان پر خامہ فرسائی کی ہے، لکھا ہے کہ احادیث نبوی میں صرف ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کہ جب بعض زنادیق کو جلایا گیا تو یہ فرمایا کہ ان کو قتل کرنا چاہئے تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو''۔

لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مرتد کے بارہ میں صرف ایک حدیث مروی ہے، بلکہ ذخیرۂ احادیث میں تقریباً تیس حدیثیں اس بارہ میں مروی ہیں اور گیارہ حدیثیں تو حدیث کی درسی کتابوں میں موجود ہیں اور خود اس حدیث کو بخاری صفحہ۱۰۲۳ کی روایت کے علاوہ امام نسائی نے سات سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جو محدثین کے اصول کی رو سے سات حدیثیں قرار پاتی ہیں۔

یہ مختصر مضمون اس قدر احادیث کے نقل کا متحمل نہیں ہے اس لئے حدیث مذکور کے علاوہ صرف ایک اور حدیث بخاری ہی سے نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ اور مضمون نگار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اس سے قصداً اغماض کرلیا ہے ورنہ بخاری میں من بدل دینه سے ملی ہوئی اگلی حدیث بھی ہے۔

ایک اور حدیث شریف

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ص صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف سے والی یمن تھے،ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک قیدی لایا گیا،حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا کہ یہ یہودی تھا پھر اس نے اسلام قبول کرلیا اس کے بعد پھر مرتد ہوکر یہودی ہوگیا۔حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایامیں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اور حکم یہی ہے، چنانچہ اس کے بارہ میں حکم صادر کیا گیااور اس کو قتل کردیا گیا(بخاری ص۱۰۲۳ج ۲)

من بدّل دینہ میں دین سے کونسا دین مراد ہے

مضمون نگار نے لکھا ہے''اس حدیث کے الفاظ میں عمومیت ہے وہ قائم نہیں رہ سکتی، کیونکہ اس کی رو سے کوئی شخص کوئی سا ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کرنا چاہئے جو بالبداہت باطل ہے،اس لئے حدیث کے الفاظ کو مقید کرنا ہوگا''(حوالہ بالا)

حالانکہ بداہۃً معلوم ہے کہ حدیث مذکور میں دین سے مراد قطعاً ویقیناً دین اسلام ہے نہ کہ کوئی سا دین،اس لئے کہ اگر کوئی سا دین مراد ہوتا اور اسلام کے علاوہ کسی شخص کا اپنے دین کو تبدیل کرکے اسلام میں داخل ہونا قتل کا سزاوار ہوتا تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور اسلام کے قبول کرنے کی طرف بلانا ہی کیسے ممکن تھا،اس لئے اس حدیث میں جس

تبدیلی دین کوسزا وارقتل قرار دیا گیا ہے اس سے مراد دین اسلام کا تبدیل کرنا ہے، اور یہ خطاب مسلمانوں کو ہو رہا ہے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو، اس خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین سے سوائے دین اسلام کے اور کونسا دین مراد ہو سکتا ہے، کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور دین بھی (العیاذ باللہ) شرعاً معتبر ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔"اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا" (قرآن پاک سورۃ آل عمران)

جب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یں خطاب مسلمانوں کو ہے اور مقصد نبوی دین اسلام سے ارتداد اور تبدیلی کو سزا وار قتل قرار دینا ہے تو پھر من بدّل دینہ کے اندر من کی تعمیم میں مسلم کے ساتھ کافر کو مراد لیا جا سکتا ہے؟ اور دینہ سے دین اسلام کے سوا دوسرا دین کیسے مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ مضمون نگار نے یہ ترجمہ کیا ہے، کیونکہ من سے مراد مسلمان ہے غیر مسلم اس میں شامل ہی نہیں ہے اور دینہ کی ضمیر اسی من کی طرف راجع ہے جس سے مراد مسلمان ہے اور مقصد حدیث یہ ہے کہ جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اس کی سزا قتل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں مـــــــن کو مسلم اور غیر مسلم کیلئے عام سمجھنے اور دین سے دین اسلام اور غیر اسلام مراد لینے کی گنجائش پیدا کرنا مقصد متکلم کے برخلاف کلام میں تحریف کرنے کے مترادف ہے۔

بالفرض اگر دین سے مراد دین اسلام اور اس کے علاوہ دوسرے ادیان یہودی اور نصرانی مراد ہوں اور مطلب یہ ہو کہ کوئی شخص کوئی سا ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کردو، تو چونکہ یہ حکم مسلم حکام کو ہے اور اس کے مخاطب مسلمان ہیں تو پھر بھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اسلام میں داخل ہونے پر بھی سزائے قتل جاری کی جائے گی اور کسی یہودی یا نصرانی کا مسلمان ہونا اور اسلام میں داخل ہونا مستوجب سزائے قتل ہے، بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان باطلہ ہیں ان کی تبدیلی اور ایک دین باطل کو ترک کرکے دوسرے دین باطل میں داخل ہونا، مثلاً یہودی سے نصرانی بن جانا بھی مستوجب سزائے قتل ہے۔

عورتوں کے استثناء کی دلیل

اول تو دوسری حدیثوں میں چونکہ صاف طور پر عورتوں کے قتل کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ دوسرے مـــن شرطیہ کے عموم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا داخل ہونا بھی مشتبہ تھا اس لئے کہ مـــن کے اندر اسی حد تک عموم مراد لیا جائے گا جس حد تک متکلم نے اس سے عموم مراد لیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ عورتوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مـــن بـدل دینـہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من کے عموم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو مراد نہیں لیا، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے سزائے ارتداد قتل

سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ فتح الباری میں ہے وخصہ الحنفیۃ بالذکر وتمسکوا بحدیث نھی عن قتل النساء واحتجوا ایضًا بان من الشرطیۃ لاتعم المؤنث (ص ۲۴۸ ج ۲۸)

کیا سزائے ارتداد کیلئے محاربہ شرط ہے؟

جب اوپر کی تحریر سے یہ ثابت ہو گیا کہ مقصد حدیث یہ ہے کہ جو مسلمان دین اسلام کو اختیار کر لے پھر اس کے ترک کرنے کی سزا قتل ہے کیونکہ حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ میں علت قتل ارتداد اور تبدیل دین کو قرار دیا گیا ہے، اس میں محاربہ کی قید نہیں لگائی گئی اور مرتد کا محارب ہونا قتل کیلئے شرط نہیں قرار دیا گیا اس لئے مضمون نگار کا اس میں محاربہ کی قید لگانا اور یہ لکھنا کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر ساتھ ہی مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے جا ملتے تھے اور ان کا قتل ضروری تھا۔ چنانچہ اس قید کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ عورتیں جنگ میں حصہ نہیں لیتی تھیں (حوالہ بالا) حدیث مذکور کے مقصد کو تبدیل کر کے (نعوذ باللہ) اس کو بے معنی قرار دینے کے مترادف ہے، اس لئے کہ جب حدیث میں تبدیل دین کو سزائے قتل کا سبب قرار دیا گیا ہے تو اب اگر اس میں محاربہ کی قید لگائی جائے تو دین کا تبدیل کرنا سزائے قتل کا سبب نہیں رہے گا بلکہ محاربہ سزائے قتل کا سبب قرار پائے گا اور اس میں مقصود شارع

کا ابطال ہے، کیونکہ شارع نے تو تبدیل دین پر قتل کا حکم دے کر تبدیل دین کو سبب قتل قرار دیا تھا مگر اس کے برخلاف اس میں محاربہ کی قید لگا کر محاربہ کو سبب قتل قرار دے دیا گیا۔ اگر مقصد شارع یہ ہوتا کہ تبدیل دین کے بعد بھی سزائے قتل کیلئے محاربہ شرط ہے تو پھر صرف تبدیل دین پر ہی قتل کا حکم اس حدیث میں کیوں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں محاربہ اور برسر پیکار ہونا تو تبدیل دین کے بغیر بھی سبب قتال ہے اور باغی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم سب کے ساتھ مقاتلہ اور قتال کا حکم ہے، اور محارب چونکہ برسر پیکار ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ مقابلہ اور قتال ہی ہوسکتا ہے جو دونوں طرف سے وقوع قتال کو چاہتا ہے، اور اس حدیث میں تبدیل دین پر قتال کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ بطور سزا کے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس میں محاربہ کی قید لگانا قتل اور قتال کے فرق کو نظر انداز کر دینا ہے۔ چونکہ ارتداد اور محاربہ علیحدہ علیحدہ دو جرم ہیں اور ان دونوں کی سزائیں بھی مختلف ہیں البتہ بعض اوقات مرتدین کی جماعت بھی قوت وشوکت حاصل کرکے مسلمانوں کے مقابلے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح ارتداد اور محاربہ دونوں جرم جمع ہو جاتے ہیں۔

یہیں سے مضمون نگار کی اس بات کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر ساتھ ہی مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے جا ملتے تھے۔ پہلے جو شخص دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالکفار میں چلا جاتا تھا اس

پر سزائے قتل کا جاری کرنا کب ممکن تھا اور ایسے لوگ اس سے کیسے مراد ہو سکتے ہیں جن پر سزائے قتل کا جاری کرنا ہی ممکن نہیں رہتا۔ اسی طرح مضمون نگار نے جو یہ لکھا ہے کہ "صلح حدیبیہ میں آنحضرت صل صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول کر لی تھی کہ کوئی مسلمان کفار کے ساتھ جا ملے تو واپس نہیں کیا جائے گا، اگر قرآن میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو آپ اس کے خلاف شرط کبھی قبول نہ کرتے" (حوالہ بالا)

اس کا جواب بھی اس سے ہو گیا کہ جو شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا الحاق بدارالحرب کے بعد اب اس پر سزائے ارتداد کا نافذ کرنا ممکن ہی نہیں رہا اور وہ اسلامی سلطنت کے دائرۂ اختیار سے نکل گیا، ایسے شخص کے واپس نہ کیے جانے کی شرط قبول کر لینا اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے، اسلامی سزا کا اسی شخص پر نفاذ کیا جا سکتا ہے جو اسلامی حدود سلطنت میں رہتا ہو اور جس پر حکومت کا قابو اور گرفت ہو۔

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل

تفسیر وحدیث اور تاریخ کی مستند کتابوں میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مرتدین کو قتل کرنا مذکور ہے اور یہ بھی تاریخ کے مسلمات میں سے ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے جن لوگوں کو سزائے ارتداد میں قتل کیا ہے ان میں ایسے مرتد بھی یقیناً شامل ہیں جن سے کسی قسم کا ارادۂ فساد یا محاربہ کا ظہور نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے خلافت کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں دکھلائی تھیں، بلکہ ان

کومحض ارتداد کی سزا کے طور پر ہی قتل کیا گیا تھا،اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس سے بھی واضح ہے کہ مرتد کی سزا کیلئے محاربہ شرط نہیں صرف ارتداد پر ہی سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے، اس لئے سزائے ارتداد کیلئے محاربہ کو شرط قرار دینا احادیث صحیحہ اور خلفاء راشدین کے تعامل کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی درست نہیں ہوسکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب رہا مضمون نگار کا یہ شبہ کہ مسیلمہ کذاب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ترک اسلام کر کے نبوت کا دعویٰ کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے لشکر جمع کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سے بغاوت کی تو بعد سخت لڑائی کے قتل کیا گیا (حوالہ بالا)

اس شبہ کا ازالہ اگر غور سے دیکھا جاتا تو اسی واقعہ سے ہو جاتا،اس لئے کہ مسیلمہ کذاب کے قاصد نے جب حضور اکرم صل صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کی تو اس پر آنحضرت ص صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر قاصد قتل کئے جاتے تو میں تمہاری گردن اڑا دینے کا حکم کرتا (سیرت ابن ہشام ص ۹)

یہ فرمان رسالت اس بات کی دلیل ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے مدعی نبوت کی تصدیق سے ہی آدمی مرتد اور سزائے قتل کا مستحق ہوجاتا ہے، اس لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے جب ان کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کو گرفتار کرکے ان کے بارہ میں حکم دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے یہ حکم صادر فرمایا تھا فاعرض علیھم دین الحق وشھادۃ ان لآ الہ الاّ اللّٰہ وانّ محمّدا رّسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، فمن قالھا وتبرّأ من دین مسیلمۃ فلاتقتلوہ، ومن لّزم دین مسیلمۃ فاقتلوہ (احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۸۸، وسنن کبریٰ للامام البیہقی ج ۸ ص ۲۰۱) اس فرمان میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ صرف دین مسیلمہ پر قائم رہنا ہی موجب سزائے قتل ہے، اس میں محاربہ کی قید نہیں ہے۔

جب جھوٹی نبوت کے دعویدار کی تصدیق حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجب سزائے قتل ہے تو کیا کوئی عاقل اس کا تصور کرسکتا ہے کہ خود جھوٹی نبوت کا دعویدار مرتد اور سزائے قتل کا مستحق نہ ہوگا؟

ہمارے مضمون نگار کے کہنے کے مطابق اگر یہ تسلیم ہی کرلیا جائے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل کی وجہ اس کا بغاوت کرنا تھا اور چونکہ اس نے حضرت ابوبکر خلیفہ اول سے بغاوت کی اس لئے وہ قتل کیا گیا تھا تو پھر بھی اس کے قاصد کا مستحق سزائے قتل ہونا تو محض اس کے ارتداد ہی کی وجہ سے تھا، ورنہ بتلایا

جاوے کہ اس کے قاصد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کونسی بغاوت اور لشکر کشی کی تھی جس کی بناء پر وہ لسان نبوت سے سزائے قتل کا مستحق قرار پایا تھا، اس کو محض مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کرنے پر ہی مستحق سزائے قتل قرار دینے کی سوائے اس کے ارتداد کے اور کونسی وجہ ہوسکتی ہے؟ اگر مضمون نگار کے نزدیک یہ وجہ درست نہیں بنتی تو پھر کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاصد کو (نعوذباللہ) بلاوجہ ہی سزائے قتل کا مستحق قرار دیا تھا؟

دراصل ہمارے مضمون نگار نے واقعہ کے اس جزء کی طرف سے بالکل چشم پوشی کرلی ہے اس لئے انہوں نے یہ لکھ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خلافت اسلامیہ جو اسلام کی نمائندہ حکومت ہوتی ہے اس کے خلاف بغاوت کرنے پر سزائے قتل دینا تو ہمارے مضمون نگار جیسے عقلاء کے نزدیک تہذیب کے خلاف نہیں مگر اسلام کے خلاف بغاوت اور ارتداد پر سزائے قتل ان کو خلاف تہذیب معلوم ہوتی ہے، گویا ملک کو انتشار اور بدامنی کے جراثیم اور باغی کی مخالفانہ سرگرمیوں سے بچانا تو ضروری ہے اور اس کی سزائے قتل بھی معقول ہے مگر ان عقلاء کے نزدیک ملت اسلامیہ کے باغی (مرتد) کو کھلی چھٹی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ملت میں انتشار پھیلاتا رہے اور اسلامی

معاشرہ کو ارتداد کے جراثیم سے متاثر اور تباہ کرتا رہے، اس پر مؤاخذہ اور گرفت کرنا ہی آزادخیالی اور شخصی آزادی کے خلاف ہے اور سزائے قتل تو ان کی طبع نازک پر بہت ہی گراں بار ہے، حیرت ہے کہ یہ عقلاء جو تحفظ ملک کو دیتے ہیں اس تحفظ سے ملت کو کیوں محروم رکھتے ہیں؟ اور ملک کے خلاف سرگرمیوں پر مؤاخذہ اور سزائے قتل سے ان کی فرعونی آزادخیالی اور مصنوعی شخصی آزادی کیوں متاثر نہیں ہوتی؟

اس کے علاوہ بخاری شریف کے باب النفخ فی المنام کے تحت علامہ ابن حجر نے ابن بطال سے نفخ کی تعبیر میں نقل کیا ہے:

یعبر بازالة الشیء المنفوخ بغیر تکلّف شدید لسهولة النّفخ علی النّافخ ویدلّ علی الکلام .وقد اهلك اللّٰه الکذّابین المذکورین بکلامه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وامره بقتلهما (فتح الباری ج ۲۸ ص ۵۰۲)

اس میں صاف تصریح ہے کہ بخاری شریف میں حضور کے جس خواب کا ذکر ہے کہ آنحضرت نے اپنے دونوں دست مبارک میں سونے کے کنگن دیکھ کر ان کو پھونک مار کر اڑادیا اور کنگنوں سے آپ نے دو کذابوں کو مرادلیا ایک اسود عنسی دوسرا مسیلمہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۴) اس میں پھونک مارنے کی تعبیر اور اس سے مراد آنحضرت کا ان دونوں کذابوں کے قتل کرنے کا حکم فرمانا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ دونوں کذابوں کا قتل آنحضرت کے حکم سے

ہوا ہے اور نفخ فی المنام سے آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ اس خواب کی تعبیر کا خارج میں اس طرح ظہور ہوا کہ اسود عنسی جس نے صنعاء یمن میں نبوت کا دعوی کیا تھا اس کے اہلاک کیلئے فرمان نبوی حضرت معاذ بن جبل کے نام پہنچا اور ان کے ایک لشکری فیروز نامی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک روز قبل اس کو قتل کر کے جہنم واصل کر دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسود عنسی کے قتل کی خوشخبری دی اور فرمایا فاز فیروز فیروز کامیاب اور فائز المرام ہوا (فتح الباری ج ۱۷ ص ۷۷، اور تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۸)

اور مسیلمہ کذاب کے دعوی کا ظہور حسب تصریح تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۵ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ہوا اور تقریباً اس کے تین ماہ کے بعد آنحضرت ص صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اس لئے اس کے بارہ میں اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کا انتظام نہیں کر پائے تھے جس طرح کا انتظام اسود عنسی کے بارہ میں فرما دیا تھا مگر چونکہ اسود عنسی کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے موجود تھا، نیز مسیلمہ کذاب کے قاصد کے بارہ میں آنحضرت ص صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرمان اور نفخ فی المنام کی تعبیر سے بھی آپ واقف اور باخبر تھے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور عمل کی پیروی اور تعمیل کرتے ہوئے اپنی خلافت کی ابتداء میں ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کیلئے روانہ کر دیا اور اسی لشکر کے ایک سپاہی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا۔

اس طرح جس مہم یعنی استیصال مرتدین کا آغاز خود بنفس نفیس آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور فنفختھا کی تعبیر میں جس مہم کے انتظام کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی اور اس کی تکمیل سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت موعود آ پہنچا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہو کر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا اور حکم کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور قائم مقامی کا حق ادا کر دیا۔

اگر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ اسود عنسی کے استیصال کی طرح مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کیلئے بھی مہلت پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی حکم فرماتے جیسا کہ اسود عنسی کیلئے فرمایا تھا، مگر شاید اس مہم کی ابو بکر صدیق

کے دست حق پرست پر تکمیل کرانے میں اس طرف اشارہ ہو کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق اور نائب مطلق ہیں کیونکہ خلیفہ اور نائب کا فعل بھی اصل میں منیب کا ہی فعل ہوتا ہے،اس لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کارنامہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال فاضلہ ہی میں معدود اور شمار ہوگا جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور نیابت اور قائم مقامی کے سرانجام دیا ہے۔

فتح الباری میں ہے:

یؤخذ من هذه القصّة منقبة للصّديق رضى اللّٰه عنه لانّ النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم تولّى نفخ السّوارين بنفسه حتّى طارا،فامّا الاسود فقتل فى زمنه وامّا مسيلمة فكان القائم عليه حتّى قتله ابو بكر الصّديق فقام مقام النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى ذٰلك (ص۵۷ج۱۷)

شبہ مذکور کا یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ مسیلمہ کا قیام حکومت مسلمہ کی حدود تسلط میں تھا۔اور یمامہ کا علاقہ جس میں اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا وہ حضور کی حیات مبارکہ میں اسلامی سلطنت کی حدود سے خارج تھا تو پھر اس شبہ کے واقع ہونے کیلئے کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قتل کا حکم اسی شخص کیلئے دیا جاسکتا ہے جو حاکم مسلم کی ولایت اور حکومت مسلمہ کے زیر تسلط رہتا ہو۔دوسرے ایسے سب واقعات کا ایک کلی اور اصولی جواب یہ ہے

کہ حدیث من بدل دینہ میں قولی حدیث کے جو واقعات بظاہر معارض معلوم ہوتے ہوں تو قول کے مقابلہ میں فعل میں تاویل کی جائے گی اور قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ فعل میں بنسبت قول کے تاویل کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔

ایک خدشہ کا جواب

اب رہا مضمون نگار کا یہ خدشہ کہ ''اگر بالفرض اسلامی سلطنت میں کسی مرتد کو قتل کیا جائے تو پھر عیسائی سلطنتیں تبلیغ اسلام نہ صرف روک دیں گی بلکہ نومسلموں کو ختم کر سکتی ہیں تو ہمارے علماء کو سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے چاہئیں''۔

(نوائے وقت ۱۳/۲/۳ ۷ء)

اول تو عیسائی سلطنتوں کو اپنی آزاد خیالی اور شخصی آزادی کی رو سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام کی تبلیغ پر پابندی لگائیں اور جوابی اقدام کریں، کیا وہ ایسا کر کے تنگ نظر نہ کہلائیں گی؟ جس کا طعنہ اسلام کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کے اعلان کے مطابق اب دنیا میں صرف ایک اسلام ہی سچا دین اور حق مذہب ہے، اس لئے اس کے قبول کرنے پر پابندی لگانا اگرچہ کسی صورت میں بھی حق بجانب نہیں کہلائی جا سکتی لیکن اگر ایسا کر دیا جائے تو اس کا نتیجہ بیش بریں نیست کہ غیر مسلم سلطنتوں میں نومسلموں کا سلسلہ بند ہو جائے گا، مگر اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم مشنریوں کے کام کے بند ہو جانے سے مسلمانوں کا اسلام محفوظ ہو کر ارتداد کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ موجودہ دولت کی حفاظت کرنا

غیر موجود دولت کی تحصیل سے تمام عقلاء کے نزدیک یقیناً اہم اور مقدم ہے ۔اسلام اپنے ماننے والوں کے ایمان کی حفاظت سے اس لئے دستکش نہیں ہوسکتا اور غیر مسلموں کو ان کی متاع پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دے سکتا کہ دوسری جگہ اسلام کی تبلیغ کے بند ہو جانے کا خطرہ اور اشاعت اسلام کے فائدہ سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیا اس کا کوئی عقلی جواز نظر آتا ہے کہ ایک موہوم فائدہ کیلئے اپنے یقینی ضرر کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جایا جائے اور نفع کی امید پر اپنے نقصان کی اجازت دے دی جائے؟

اگر بالفرض یہ خدشہ صحیح ہی ہو کہ اس پابندی سے غیر مسلم ممالک میں اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ اسلام کی حفاظت میں اس سے بڑی بھاری مدد ملتی ہے۔

تحریر بالا سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اسلام سے ارتداد پر سزائے قتل کے خلاف جو دلائل اور شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے۔اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے، قرآن کی آیتوں، حدیثوں اور خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے یہ سزا ثابت ہے اور یہ فیصلہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول نے بہت پہلے سے فرمایا ہوا ہے، خدا اور رسول کے فیصلہ میں ترمیم و تنسیخ کا نہ تو کسی عالم کو اختیار ہے نہ ہی کسی مسٹر اور بزعم خود تبلیغ اسلام کے مدعی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے اس حق حفاظت خود اختیاری کو استعمال کرنے سے

اس کے صحیح اور سچے علمبرداروں کو باز رہنے کا مشورہ دے۔

اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ صحیح حدیثوں اور تمام امت کے فیصلہ کے برخلاف قتل مرتد کا انکار کرنے اور امت کے اجماعی اور متفقہ فیصلے کے تبدیل کرنے کیلئے کسی عالم یا علماء کو سوچنے اور سمجھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے، کیا اسلام کے قرن اول سے لے کر آج تک کا یہ فیصلہ نعوذ باللہ بے سوچے سمجھے ہی کر دیا گیا تھا؟

قرآن وحدیث میں جو احکام صاف صاف آ چکے اور جس بات کا فیصلہ ہو چکا اب اس میں علماء کی سوچ سمجھ کا کیا دخل ہو سکتا ہے، جس کا بے سوچے سمجھے علماء کو مشورہ دیا جا رہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں، امین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔